یونس جاوید کے افسانوی کردار: داخلی کرب، نفسیاتی کشمکش اور سماجی تلخیوں کا امتزاج

محمد خاور نوازش
غلام شبیر

Abstract:

Yunus Javed is a very influential figure in Urdu drama, novel, and short story writing. His four collections of short stories were published in Urdu at different times. Although he started writing fiction at a time when symbolism and abstract fiction were famous in Urdu, but he chose the path of narrative fiction and presented social realism and psychological conflict in his short stories. This article presents an analytical study of his fictional characters. Yunus Javed's fictional characters are bitter narratives of internal anguish, psychological conflict, and social resentment, but one of their characteristics is that they are all humanists and believe in the philosophy of respect for humanity. His characters also have the quality of breaking the status quo and they are also seen trying to open the layers of social, political, and historical consciousness.

یونس جاوید(پیدائش: ۱۹۴۴ء)کو اکثر عوامی حلقوں میں ڈراما "اندھیرا اُجالا" کے خالق کے طور پر جانا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ متنوع ادبی جہات کی حامل شخصیت ہیں۔وہ ڈراما نگار ہونے کے علاوہ اُردو کے بہت معتبر ناول نگار اورافسانہ نگار بھی ہیں۔اُن کی افسانوی تحریریں اپنے اسلوب، موضوع، کردار،مقصدیت، زبان وبیان اور تکنیک کے اعتبار سے بہت معیاری ہیں۔یونس جاوید کے افسانوی مجموعے"تیز ہوا کا شور"، "آوازیں"، "میں ایک زندہ عورت ہوں" اور " ربا سچیا رب قدیر" کے عنوان سے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔اُن کے افسانوں میں میجک ریلزم یا جادوئی حقیقت نگاری کے متنوع زاویے ملتے ہیں۔یہ تکنیک انہیں حقیقت کو غیر روایتی اور تخیلاتی انداز میں پیش کرنے کی آزادی دیتی ہے جس سے کرداروں کی نفسیاتی پرتیں مزید گہری اور پُراسرار ہو جاتی ہیں۔یونس جاوید افسانے کے افق پر اُس وقت طلوع ہوئے جب

پاکستان میں تجریدی افسانے اور علامت نگاری کا وفور ماند پڑ چکا تھا(۱)سو اُن کے افسانوی کردار اپنے انفرادی وجود کے ساتھ ساتھ سماجی اور فکری بیانیے کا بھی حصہ نظر آتے ہیں۔کردار نگاری کسی بھی افسانے میں بنیادی اہمیت کا حامل جزو ہوتا ہے۔ایک کامیاب کہانی کار اپنے قاری کو کہانی کے کرداروں سے جذباتی اور فکری طور پر جوڑنے کی کوشش کرتا ہےاور یہی عمل اُس کے افسانے کو موثر بناتا ہے۔یونس جاوید کے افسانوی کردار کسی جمود کا شکار نہیں بلکہ اپنے فکر و عمل میں پوری طرح متحرک اور ہمارے اطراف موجود زندگی سے جڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں کردار نگاری کی کئی جہتیں ہیں جو افسانہ نگار کی فنی پختگی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر کا خیال ہے:

> "کہنہ مشق افسانہ نگار ہونے کی بنا پر یونس جاوید اس امر سے آگاہ ہے کہ کسی واقعہ یا کردار کو کیسے اور کتنے الفاظ میں بیان کرنا ہے اس لئے وہ غیر ضروری تفصیلات میں جائے بغیر جزیات نگاری کے ذریعے کرداروں اور مناظر کو زندہ کر دیتا ہے۔"(۲)

یونس جاوید کے معاصرین میں سے بہت سے افسانہ نگار جب علامت اور تجریدیت کے تجربات کر رہے تھے تب انھوں نے اپنے لیے سیدھے سادھے بیانیہ انداز میں ہی لکھنا پسند کیا اور افسانے سے کہانی کو دُور نہیں ہونے دیا۔انہوں نے بعض افسانوں میں کہانی کے تاثر میں شدت پیدا کرنے کے لئے نیم علامتی اور تمثیلی انداز بھی اختیار کیا جیسا کہ اُن کا افسانہ "نجات" ہے جس کا مرکزی کردار مولوی ثناء اللہ ہے۔اس میں طوطے کو بطور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔کردار، پلاٹ کے بعد افسانے کا دوسرا بڑا جزو ہے۔شروع شروع میں افسانے کے پلاٹ پر زیادہ توجہ دی گئی لیکن وقت کے ساتھ ساتھ کردار اہمیت کے حامل ہونے لگے۔نئے افسانے نے کردار اور پلاٹ دونوں کی اہمیت کم کر دی تھے تاہم مابعد افسانے میں کردار اور پلاٹ دونوں واپس آچکے ہیں۔کردار کے حوالے سے اُن کی پیشکش میں مختلف آراپائی جاتی ہیں۔کہیں افعال پر زور دیا جاتا ہے تو کہیں سراپے پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔سید وقار عظیم اس حوالے سے تین طریقے پیش کرتے ہیں:

> "1۔کہانی کے واقعات کی رفتار کے ساتھ ساتھ کردار کی سیرت اور شخصیت کا نقشہ،2۔ابتدائی حصے میں ہی کردار کا تعارف،3۔ان دونوں کا امتزاج یعنی کردار کے بارے میں چند باتیں شروع میں بتادی جائیں اور پھر واقعات

شروع ہوں اور واقعات کے ساتھ ہی کرداروں کی شخصیت ابھرتی چلی جائے۔"(۳)

کرداروں کی تقسیم کے حوالے سے بات کی جائے تو ای ایم فاسٹر کا نام ذہن میں آتا ہے جس نے کرداروں کو دو زمروں میں بانٹا تھا۔ اولاً ایسے کردار جو حالات کے ساتھ تبدیل ہوجائیں اور ثانیاًایسے سپاٹ کردار جنہیں آسانی سے سمجھا جاسکے اور حالات انہیں تبدیل نہ کرسکیں۔ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب "افسانہ اور افسانہ نگار"میں ای ایم فاسٹر کی بات کو درست مانتے ہوئے یوں آگے بڑھاتے ہیں کہ کرداروں کویوں دو گروہوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ۔اس کے ساتھ انہوں نے فطری کردارنگاری اور نفسیاتی کردار نگاری کا فرق بھی بتایا۔لکھتے ہیں:

"۔۔۔کردار انسان ہو، اپنی تمام خوبیوں سمیت جانا پہچانا انسان، گویا کردارنگاری کے لئے انسانی فطرت کے ان بنیادی اصولوں کو مدنظر رکھنا ضروری تھا جن کی خلاف ورزی سے کردار فطری نہیں بلکہ مافوق الفطرت بن جاتا ہے۔ فطری کردارنگاری زندگی کے بارے میں ان مشاہدات اور تجربات کے اعادے کا نام ہے جو عقلِ عامہ کی کسوٹی پر بھی پرکھے جاسکتے ہیں۔"(۴)

یونس جاوید کے زیادہ تر افسانے کرداروں کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ان کے کردار سماج میں بسنے والے ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جن میں امیر،غریب، مرد، خواتین، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، چوراُچکے، رند، زاہد،امام، خطیب، جوان، بوڑھے سب ہی ان کے افسانوں کی زینت بنے ہیں۔یونس جاوید معاشرے کی اونچ نیچ، ناہمواریوں اورمعاشی و سماجی مسائل کا گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں۔یونس جاوید کی فنی مہارت ہے کہ وہ کرداروں کو اُن کی مکمل انسانی کیفیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں جس سے قاری اور اُن کرداروں کے درمیان ایک گہرا ربط پیدا ہوتا ہے۔ سجاد باقر رضوی رقمطراز ہیں کہ:

"ان کے کردار پلاٹ کی زمین سے پھوٹتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، پلاٹ کی چستی اور کرداروں کی زندگی آپس میں اس طرح باہم مربوط ہوتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔"(۵)

یونس جاوید کے کردار ہر قبیلے اور برادری سے تعلق رکھتے ہیں سو زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔ان میں کچھ سپاٹ،کچھ کمپلیکسڈ اور کچھ تغیرپذیر کردار نظر آتے ہیں۔انھوں نے کرداروں کی نفسیاتی گہرائی اور داخلی کیفیات کی عکاسی پر خاص توجہ دی ہے۔ اظہرجاوید اُن کے کرداروں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کا مشاہدہ بڑا گہرا اور سوچ باریک بین ہے۔وہ جزیات کو کھنگالنا اور انہی سے کرداروں کو اچھالنا جانتے ہیں۔۔۔کرداروں کی نفسیات کو سمجھنا اور ان کی سائیکی کا تجزیہ کرنا ان کے ہاں انوکھے انداز میں درآیا ہے۔"(۶)

یونس جاوید کے افسانے "نفرت کی دیوار" کی فیروزاں کا کردار ایسا ہے جو "نورے" سے شدید نفرت کرتی ہے مگر جب "نورے" کو پیاس کی شدت سے بے ہوش دیکھتی ہے تو نفرت کے باوجود اُس کے اندر انسانیت کا فطری جذبہ اجاگر ہوتا ہے اور وہ اپنے لعاب سے اُس کی پیاس بجھانے کی کوشش کرتی ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"سہمی ہوئی فیروزاں نے بڑی جرأت سے قدم آگے بڑھایا۔وہ تڑپتے ہوئے انسان کے بالکل قریب کھڑی تھی۔ زخمی انسان چلایا۔۔۔پانی۔۔۔پانی۔وہ گھبرا گئی۔اس کے قدم پانی کی تلاش میں اٹھے مگر اسے ہر طرف اندھیرا دکھائی دیا۔وہ دوقدم چلی، رُکی، پھر چلی، پھر واپس مڑ آئی، وہ زخمی نورے کے قدموں میں کھڑی تھی۔اس کا سارا جسم پسینے میں تر ہوگیا۔نورے نے ہتھیلی زمین پر رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کی کلائی کانپ کر رہ گئی۔ وہ گر پڑا۔سرگوشی کے انداز میں اس کے منہ سے نکلا پا۔۔۔ن۔۔نی ی ی ۔۔۔اس کی آواز میں نکاہت تھی۔فیروزاں نے نیچے بیٹھ کر اُس کا سر اپنی گود میں ڈال لیا جبڑوں کو دبا کر منہ کھولا اور اپنی زبان اس کے حلق میں اتاردی۔"(۷)

اسی طرح افسانہ "میں ایک زندہ عورت ہوں" کے نسوانی کردارانیلااور فریدہ ہیں جن کے باطن میں اچھائی و برائی کی جنگ جاری رہتی ہے۔یہ دونوں خواتین حالات وواقعات، معاشی جبر، غربت، افلاس اور بھوک سے تنگ آکر بدن فروشی پر مجبور ہیں لیکن اُن کا ضمیر اُنہیں ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔اُن کے اندر احساس ندامت ہے۔وہ کسی ایک کی ہوکر رہنا چاہتی ہیں، اُس دھندے سے نفرت کرتی ہیں لیکن معاشی جبر کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں۔ان کے اندر گھر

بسانے کی خواہش اِس بات کی دلیل ہے کہ اندر کی عورت اپنے فطری جذبات سمیت ابھی زندہ ہے۔ "فریدہ" کی پرت در پرت شخصیت اور کردار نگاری کے حوالے سے اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "فریدہ کے اندر ایک بہت محبت کرنے والی۔۔۔ممتا جیسی روح تھی۔۔۔جو یہ بھی جانتی تھی کہ مرد چاہے جانے کو کس قدر اہمیت دیتاہے، اس کی یہی چاہت، بڑے بڑوں کو پاؤں کی مٹی نہ چھوڑنے دیتی تھی۔فریدہ کی ذات ایک انجمن تھی روحانیت کی بحث،نمازوں کا تذکرہ، روزہ داری،مسائل شریعت ایک روز۔۔۔اور عشق بلاخیز کی لطافتیں اور کارستانیاں۔۔۔ دوسرےاور کبھی کبھی لگتا کہ وہ بہت پڑھی لکھی اور ذہین عورت ہے۔۔۔ کبھی محسوس ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ لوگوں کو مل چکی ہے۔۔۔ یونیورسٹی کی ایک اکیس سالہ فریدہ شاہ سے فریدہ حامد ہونے تک وہ کتنے زمانوں سے گزر کر جہاں دیدہ اور تجربہ کارہوچکی تھی۔"(۸)

"فریدہ " کا کردار یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ہمارے مرد انہ سماج میں عورت کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ ایسا کردار ہے جس کی تمام تر بے اعتدالیوں کے باوجود اس سے ہمدردی محسوس ہوتی ہے کیونکہ قاری کے سامنے وہ ٹھوس وجوہات بھی ہیں جو اس کردار کے رویے کا باعث بنیں۔مراد کو اذیت دینے کے بعد بھی جب افسانے کے اختتام پر وہ کئی برسوں بعد مراد سے ملتی ہے تو اُس کے وزیٹنگ کارڈ پر فریدہ مراد چھپا دیکھ قاری کو اس کردا رسے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔یونس جاوید کی یہ کہانی بظاہر ایک فلرٹ کرنے والی عورت کی کہانی ہے لیکن انھوں نے اس کردار کے اندر کی عورت بھی دریافت کی ہے۔وہ عورت جو تمام تر بہادری کے باوجود کسی مضبوط مردانہ سہارے کی طلب گار ہے۔عورت بیٹی، بیوی اور ماں بن کر رہنا چاہتی ہے اور یہی اُس کی داخلی فطرت ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

> "تم زبیرالحامد کی بات کررہے ہونا۔وہ تیزی سے بول پڑی۔۔وہ میری زندگی میں نہیں آیا تھا۔وہ تو خریدار تھا۔یونیورسٹی کے زمانے اس نے مجھے بار بار خریدنا چاہا۔وہ اپنی قیمت لگانے سے باز نہیں آتا تھا عمر میں تین گنا بڑا ہونے کے باوجود وہ مجھے Available سمجھتا تھا یا کوئی بیوہ۔تو عورت کے ماتھے پر ایک ہی لیبل چسپاں کردیاجاتا ہے Available, Available, Available زبیرالحامد نے ہر عورت پر یہی لیبل لگارکھا تھا۔"(۹)

افسانہ "مکمل ہونے تک" کا کردار راشدہ عمر کے اُس حصے میں ہے جسے پکی عمر کہا جاتا ہے یعنی چالیس کے لپیٹے میں ہے اوراُس کی سماجی حیثیت بھی مضبوط ہے۔ تاہم یہ کردار دوہرے پن کا حامل ہے۔وہ دن کے وقت خود کو ایک خول میں بند کرلیتی ہے ، واعظ بن کر فیروز کو نماز اور تفسیر پڑھنے کی ہدایت کر رہی ہوتی ہے لیکن رات کے وقت اُسی فیروز کے ساتھ اُس کی گفتگو یکسر بدل جاتی ہے اور اُس کی اندر کی ایک فطری عورت ابھر کر سامنے آتی ہے۔اِس کے برعکس "میں ایک زندہ عورت ہوں "میں انیلا کا کردارایک طوائف ہے۔وہ طوائف سے ایک گھردارعورت بننے کی خواہش رکھتی ہے۔وہ دن اور رات میں الگ الگ رُوپ دھارے ہوئے نہیں ہے۔انیلا جیسی طوائف کے اندر یونس جاوید نے ایسی مشرقی عورت کو دریافت کیا ہے جو مسلسل داخلی کشمکش کا شکار رہتی ہے۔

افسانہ "عزتِ نفس کے لئے" کا مرکزی کردار زہرہ محبوب بھی داخلی کشمکش کا ایک موثر نمونہ ہے۔زہرہ معاشرتی مجبوری، بھوک، افلاس اورمعاشی حالات کے ہاتھوں مجبور ہوکر "کال گرل" بن جاتی ہے مگر ذہنی طور اسے قبول نہیں کرتی۔یہی وجہ ہے کہ جب دلال "انور"اُسے ایک نئے گاہک کے ساتھ جانے پر مجبور کرتا ہے تو وہ چلا اٹھتی ہے کیوں کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ایک حساس انسان کو دغادے چکی تھی۔اقتباس ملاحظہ کیجئے:

> "ناصر نواز نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو وہ انور تھا، ناصر درخت کی اوٹ میں ہوگیا، پھر زہرہ کی آواز گونجی میں آج سے یہ کام نہیں کروں گی۔ کیوں؟انور بولا، یکایک نخرہ اتر آیا ہے تم میں۔۔۔اک درمند کچلا گیا ہے مجھ سے۔زہرہ بولی میری بے وقوفی اور تمہارے جبر کی وجہ سے۔بے وقوفی کی باتیں مت کرو اور چلو۔انور نے دھمکی دی۔نہیں اس نے جواب دیا۔۔۔ میں اب تمہارے ساتھ نہیں چل سکتی۔انجام خیر ہے نا؟انور دھاڑا اس سے بُرا اور کیا ہوگا۔وہ جیسے سسک رہی تھی۔۔۔زندگی میں پہلی بار مجھے ایک انسان ملا تھا جسے اب تک میں اس کی تلاش میں تھی۔"(۱۰)

افسانے "رسائی نا رسائی" میں تنہائی کا شکار اور اپنے جذبات کے سامنے مضبوط دیوار بن کر کھڑے ہوئی مشرقی عورت کا ایک اور کردار بینا نظر آتا ہے۔یہ کردار بھی اپنے جذبات اور معاشرتی پابندیوں کے درمیان کشمکش کا شکار ہے۔"بینا"ایک ایسی عورت کے جذبات کی کہانی ہے جو ادھیڑ عمری میں ہے۔کہانی پڑھ کر قاری کو اُس کردار سے ہمدردی ہونے لگتی ہے۔ساری

کہانی میں نہ تو کوئی واقعات ہیں اورنہ کوئی غیر معمولی تجسس، تاہم تنہائی کے کرب سے مقابلہ کرنے والی عورت کی کردار نگاری کی یہ ایک کامیاب کوشش ہے۔اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"رات کے آخری پہر دیر سے لوٹنے والے پڑوسی نوجوان کی گنگناہٹ اور اپنے دروازے پر دستک کے درمیان وقفے میں بلاوے کی کشش نڈھال کردیتی ہے کہ بال بال جل کر بھُن کر راکھ ہونے اوربجھنے کے لئے تڑپ اٹھتا ہے خود کو زنجیر کرنے کا فن اسی کو آتا ہے جو برف جیسی کٹار سردی میں یخ پانی کے چھینٹے مار سکتی ہو۔۔۔جو گرم ترین راتوں میں بھی آگ جلاکر سیخ پر چڑھے کباب کی طرح قطرہ قطرہ ہوکر انگاروں پر ٹپک سکے۔۔۔ رُک کر اُس نے زہربھری آواز میں کہا۔۔کوئی نہیں پوچھتا۔"(۱۱)

عورت کی نفسیاتی کیفیات کے ساتھ ساتھ مختلف واقعات پر انسانی ردِ عمل کے تنوعات کے حوالے سے ایک اہم افسانہ "نروان" اور اس کا مرکزی کردار ماں جی ہے۔ماں جان ایک ایسا کردار ہے جسے اپنے جوان بیٹے سے بے حد محبت ہے مگر بیٹے کی ناگہانی موت "ماں جی" کے دماغ پر ایسی چوٹ لگاتی ہے کہ وہ اپنی بہو سلمٰی جس کو ابھی وہ گھر بھی نہیں لائی تھی اوراُس سے وہ بے پناہ محبت کرتی ہے ،اُسے کسی اور کے ساتھ بیاہا جانا پسند نہیں کرتی۔جیسے ہی اُس کا رشتہ کسی کے ساتھ ہونے لگتا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی افواہ اڑا کر رشتہ تڑوادیتی ہیں۔آخرکار سلمٰی بدنام ہوکر رہ گئی ہے۔اُس کے والدین بے حد پریشان حال ہیں مگر ماں جی کو تسکین ملتی ہے۔ "ماں جی"کے کردار میں اچانک تبدیلی تب آتی ہے جب اُس کی بیٹی زینت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اُس وقت اُس کا ضمیر اُسے ملامت کرتا ہے۔وہ سوچتی ہے میرے ساتھ اس لیے ایسا ہوا کہ میں نے کسی اور کی بیٹی کا رشتہ نہیں ہونے دیا، یہ میرے کیے کی سزا ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"ماں جی نے اس کے بعد کچھ نہ سُنا وہ تو جانے کس دنیا میں کھوگئی تھیں۔ مٹی کے بت کی طرح وہ اپنی جگہ ساکت دیوار سے جم سی گئیں، ان کے ہاتھ سے پکڑا ہوا ریشمی دوپٹہ سرک کر نیچے جاگرا اور اُن کا گولہ لڑھکتا ہوا غسل خانے کی دیوار سے جالگا تھا۔۔۔جب ان کے حواس پلٹے تو انہیں یاد آیا کہ بیگم کرنل بشیر کو جب انہوں نے سلمٰی کی بدکرداری کی جھوٹی خبر

سنائی تھی تو کچھ دیر کے لئے اُس کی حالت بھی اس طرح دگرگوں ہوگئی تھی۔"(۱۲)

آخر وہ اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوکر اپنے کیے ہوئے ظلم وزیادتی کی تلافی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے اور سلمٰی کی شادی اُس لڑکے سے کروادیتی ہے جسے وہ اپنا داماد بنانا چاہتی تھی اور اس طرح وہ نروان پانے میں کامیاب ہوجاتی ہے۔یونس جاوید نے ماں جی کے کردار کے ذریعے دراصل انسان کو پہنچنے والے گہرے صدمات کے مختلف نفسیاتی ردِعمل واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔یونس جاوید کے چوتھے مجموعے "رب سچیا رب قدیر" کے دیباچے میں ڈاکٹر سعید لکھتے ہیں:

"یونس جاوید نے سماج کی معروضی حقیقتوں کو کردار کی صورت حال کا حصہ بنا کر پیش کیا ہے۔اس سیاق وسباق میں ان کے افسانے کئی سطحوں پر معنوی پھیلاؤ کے حامل ہوجاتے ہیں۔"(۱۳)

یونس جاوید کی کہانیوں کے کرداروں میں نیکی کی رمق باقی ہے نیکی وہ نہیں جو مذہب کے اصولوں کے تحت ہو بلکہ انسانیت سے جڑی ہو،وہ نیکی جو محبت، اخوت، بھائی چارے اور احترام آدمیت کے بطن سے جنم لیتی ہے۔۱۹۶۸ء کے بعد لکھے گئے افسانوں کے کرداروں میں یہ رویہ کافی حد تک موجود ہے۔"کانچ کا پل"کاایک کردارچاچا بھی رنگ ونسل سے بالاتر ہوکر انسانیت کی خدمت میں مصروف ہے۔اسے بنگالی ہونے سے غرض ہے اور نہ ہی پنجابی ہونے سے، اُس کا مذہب صرف انسانیت ہے ،وہ احترام آدمیت پر ایمان رکھتا ہے۔انیس ناگی لکھتے ہیں:

"اُن کا موضوع وہ اُفتگان خاک ہیں جو ایک نظام زیست کے ظلم کا شکار ہیں،جو تعصب اور ناانصافیوں کے باوجود اپنی انسانی حیثیت کو انسان دوستی کے ذریعے قائم رکھتے ہیں۔"(۱۴)

افسانوی مجموعے "تیز ہواکا شور"میں شامل افسانے"نجات"میں تضاداور دوہرے پن کے حامل ایک سماجی کردار کو پیش کیا گیا ہے۔یہ کہانی ایک غیرشادی شدہ امام مسجد کے کردار کے ذریعے آگے بڑھتی ہے۔چہرے پر موجود مصنوعیخول کمزورلمحے میں عیاں ہوجاتا ہے۔یہ کردار حالات کے جبر کی وجہ سے ایک گاؤں میں رہنے پر مجبور تھا۔لوگ اُس سے بے پناہ محبت و احترام کرتے تھے اور اُس احترام میں بھول گئے تھے کہ گوشت پوست سے بنا انسان فطری جذبات بھی رکھتا ہے اور خواہشات بھی۔اسے بھی شریک حیات کی ضرورت ہے۔اُسے ہر وقت

تقدس کے خول میں بند رہنا پڑتا ہے اور یہ خول اُس وقت اتر جاتا ہے جب اُس کا پُرانا دوست اس سے شادی کا کہتا ہے۔یونس جاوید یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام مسجد، مولوی اور قاری فرشتے نہیں ہوتے،یہ لوگ بھی گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان ہیں۔ اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"دین موچی کے گھر کے بارے میں کیا خیال ہے آپکا۔یہ دوسرا سوال تھا جو خلاف توقع تھا۔۔۔مولوی ثناء اللہ کو محسوس ہوا جیسے ان کا گلا بند ہوگیا ہو اور سانس لینے میں کچھ دِقت پیش آرہی ہو۔۔۔مسرت پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔۔۔وہ دھیمے لہجے میں بولے "گھرانہ تو نیک ہے"،نیک بھی ہے اور دین موچی زیادہ نخرے بھی نہیں کرے گا۔۔۔میرا خیال ہے کہ بسم اللہ کر کے بات شروع کردوں۔جیسے تمہاری مرضی مولوی ثناء اللہ نے لمبا سانس لے کر سینے کا بوجھ ہلکا کردیا۔"(۱۵)

اس افسانے میں بدکردار بڈھے کے لیے "طوطے"کو بطور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔ جب گاؤں کا ایک بڈھا خطیر رقم کے عوض کم سن لڑکی سے شادی کرتا ہے تو ا "مولوی ثناء اللہ" جو اُس بڈھے کے مقابلے میں ابھی چالیس کے لگ بھگ ہے، اپنی شادی نہ ہونے پر بے چین ہو جاتاہے۔اقتباس ملاحظہ کیجئے:

"مولا بخش تقریباً چیخ کر بولا "وہ اپنا طوطا تھا۔۔۔رات وہ اڑ گیا"اڑ گیا۔۔۔مولوی ثناء اللہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔پچھلی خبر کی حیرت کو انہوں نے اس خبر پر استعمال کیا اور پوچھا۔مگر کیسے؟

میں نے عرض کیا تھا کہ کچھ طوطے درختوں پر آکر ٹیں ٹیں کرتے تھے۔ جس کے جواب میں اس نے آوازیں بھی نکالی تھیں اور وہ ایک دن اداس بھی رہا تھا۔جانے کیا پٹی پڑھائی ان بوڑھے طوطوں نے، رات دروازہ کھلا رہ گیا اور وہ غائب۔ عجیب بات ہے۔مولوی ثناءاللہ نے دبی زبان میں کہا یہ طوطا ہے ہی بے وفا جانور۔مولا بخش نے اٹھتے ہوئے کہا اور اجازت لے کر گھر چلاگیا۔"(۱۶)

کرداروں کو زبان وبیان کے حوالے سے دیکھا جائے تو یونس جاوید کے کردار وہ زبان بولتے ہیں جس کی وہ نمائندگی کررہے ہوتے ہیں۔نسوانی کردار ہے تو نسوانی زبان وبیان ، اگر

کوئی طوائف ہے تو وہ اپنے طبقے کی زبان وبیان ، جس سے افسانے میں کردار غیر فطری نظر نہیں آتے۔"رب سچیا رب قدیر"میں انہوں نے طوائف کی زبان سے یوں گفتگو کروائی ہے:

"ارے بھائیا۔۔۔میڈم نے زور دے کر سمجھایا ان کنجڑوں کو دیسی اور ولایتی شراب تک کا ذائقہ نہیں معلوم۔۔پہلے دو پیک ولایتی پھر بے شک چڑی پلا۔۔۔میڈم نے ضبط کرکے پھر کہا۔"حرام زادے"۔۔۔"(۱۷)

کرداروں کی حقیقی عکاسی کے حوالے سے یونس جاوید کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ زبان کو حقیقت سے قریب تر کرنے کے لئے اور اسے بے ساختہ بنانے کے لئے بعض دفعہ بعض کرداروں کے منہ سے گالیاں بھی دلوا دیتے ہیں۔اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"کُتی کم ذات ماں حیرت ہوکر کُتی گھروجنا ہے۔۔جب کہ لڑکی اپنے شوہر کو ان خطابات سے نوازتی ہے۔ کنجڑ، خبیث، دَلّا، کُتی کا بچہ۔۔۔ کمینی عورت، کُتی ذات۔" (۱۸)

یونس جاوید جب دیہی پس منظر میں لکھتے ہیں تو اُن کے کرداروں کی زبان کے ساتھ ساتھ اُن کے نام بھی دیہاتی ہوتے ہیں یا ناموں کو بگاڑ کر پنجاب کے خاص کلچر کے مطابق بنایا جاتا ہے۔افسانہ "نفرت کی دیوار"سے اقتباس کا ملاحظہ کیجئے:

"مگر نوریا ایک بات تو بتا۔۔۔تیرے پاس ایسی ہیریں ہیں پھر تمہیں احمقوں کی لڑکی سے چھیڑ کرنے میں کیا مزا ملا۔۔۔۔
پگلی ہو تم۔۔۔۔گاؤں بھر میں جو یہ بات پھیلی ہوئی ہے نا کہ نورا خودکشی کرے گا۔وہ سب اپنا چلایا ہوا چکر ہے، تم کیا سمجھو گی بھلا یہ باتیں۔"(۱۹)

۲۰۰۰ء کے بعد لکھے گئے افسانوں میں چونکہ زیادہ تر پڑھے لکھے طبقے اور اُن کے دکھ درد اور مسائل کو موضوع بناگیا ہے اور اس دور کے افسانوں کے کردارخواہ بے روزگاراور ناآسودہ ہیں مگر اکثریت پڑھے لکھے ہیں۔تیسرے اور چوتھے مجموعے کے اکثر افسانوں میں جوان مرد اور خواتین کردار اپنے مکالموں کی زبان سے تعلیم یافتہ نظر آتے ہیں۔افسانہ"میں ایک زندہ عورت ہوں"سے زبان وبیان کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

"میں کسی مرد کو ہمیشہ کے لئے own نہیں کرسکتی۔بے وقوف کچھ زیادہ ہی involveہوچکا تھا۔پتہ نہیں منع کرنے کے باوجود مرد لوگ possessive کیوں ہوجاتے ہیں۔"(۲۰)

افسانے "پس دیوارزنداں" کا مرکزی کردار "مسز جواد" متذکرہ بالا نسوانی کرداروں سے قدرے مختلف کردار ہے۔ گو کہ ایسے کردار کو ہمارے معاشرے میں منفی تصور کیا جاتا ہے لیکن جنسی جذبات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ حقیقت نگاری کا زمرے میں آئے گا۔ اس کردار کی کہانی بھی ادھیڑ عمر ی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کا خاوند روزگار کے سلسلے میں ملک سے باہر ہے۔ مسز جواد اُس کی غیر موجودگی میں خاوند کے بھانجے بہزاد سے جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہے جس کے نتیجے میں وہ ایک بچی کو جنم دیتی ہے جس کی شکل ہو بہو بہزاد سے مشابہت رکھتی ہے۔ خاوند اِس غم میں مر جاتا ہے۔ تاہم مسز جواد اپنی روش پر قائم ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی بھی اسی بہزاد سے زبردستی کروادیتی ہے اور خود بیٹی کے عاشق "سلطان" سے تعلقات بنا لیتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر شاہین مفتی کہتی ہیں:

> "پس دیوار زنداں" کی میڈم ثریا عرف مسز جواد، اس کی بیٹی اور اس کے داماد بہزاد کی کہانی جنسی شقیت کی ایک ایسی واردات ہے جو ہمارے نئے معاشی نظام کی روزمرہ بن چکی ہے۔"(۲۱)

یونس جاوید کے افسانہ "بوجھ" کے کردار ایک ہی گھرانے سے ہیں۔ اس گھرانے کا ہر فرد اپنی ذات میں گم ہے۔ راحیل پڑھا لکھا ہے لیکن حادثے میں معذور ہو جاتا ہے۔ بڑا بھائی اپنے آپ میں گم ہے۔ بہنیں کشیدہ کاری کرتی ہیں اور اپنی کمائی میں لگی ہوئی ہیں۔ اپاہج راحیل کو گھر میں بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ وہ مجبوراً بھیک مانگتا ہے۔ اس افسانہ کے کرداروں کے ذریعے یونس جاوید یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ آج نفسانفسی کا دور ہے اور عزت و منزلت کا تعلق صرف دولت سے ہے۔ اُن کے کرداروں کے باہمی رویے اور مکالمے اس حقیقت کو آشکار کرتے ہیں۔ سماجی نفسا نفسی کی ایک قدرے یکساں تصویر کشی ایک اور افسانے "ٹیٹنس 81" میں بھی نظر آتی ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار ایک گڑھے میں جا گرتا ہے اور وہ ٹیٹنس کا ٹیکہ لگوانے کے لیے ہر کلینک، ہسپتال اور ہیلتھ سنٹر جاتا ہے۔ اسے ایک ہی جواب ملتا ہے ، ڈاکٹر نہیں ہے یا یہ کہ ٹیٹنس کے ٹیکے زائد المعیاد ہو گئے ہیں۔ کہانی کی علامتی معنویت پاکستان کے معاشرتی نظام کی جھلک دکھلاتی ہے کہ سماج کے زخموں کا مداوا کرنے والا کوئی نہیں۔ مقتدر لوگوں کے ساتھ ساتھ کمزور طبقات بھی ایک دوسرے کے درد سے لاتعلق اور لاپرواہ ہیں۔ افسانہ "دستک" کے کردار اور سماجی رویے بھی اسی انسانی لاتعلقی کا نوحہ ہیں۔ مادیت پرستی نے انسانوں کو ایک دوسرے کے احساس سے ماورا کر دیا ہے۔ اس کہانی میں سماجی دباؤ کے نتیجے

میں پاگل ہو جانے والا "پروفیسر" جب بیمار ہوتا ہے تو کوئی اس کی مدد نہیں کرتا۔کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہے۔لیکن جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے کفن دفن کے انتظام کے لیے لوگ بڑھ چڑھ کر آتے ہیں۔یہ افسانہ پریم چند کے "کفن" کی یاد دلا تا ہے۔

یونس جاوید کے بعض افسانوں میں متغیر کردار بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔حالات اورواقعات کے ساتھ ساتھ ان کے رویوں میں بعض اوقات معمولی اور بعض اوقات غیر معمولی تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ "رات کی اونچی فصیل"میں "سسٹر سجناد"کا نسوانی کردار متغیر ہے۔وہ ایک زرتشت ہے اور ایک ماوراتی قوت پر غیر مشروط ایمان رکھتی ہے۔مریضوں کی شفایابی کے لیے "اس" کے حضور گڑگڑاتی ہے دُعامانگتی ہے اور صرف یہ نہیں بلکہ لوگوں کو بھی کہتی ہے کہ وہ اپنے دین پر مرتکز ہوں ،مگر جب وہ خود ایک پُر اسرار بیماری میں گھر جاتی ہے اور پھر اس کا اعتبار اُس "ماورائی قوت"سے اُٹھ جاتا ہے سو وہ اس کا انکار کردیتی ہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر سجاد باقر رضوی رقم طراز ہیں:

> "کائنات کی جابر قوتوں کے خلاف انسانی فطرت کا ازلی جذبۂ بغاوت سسٹر سجناد میں عود کر آتا ہے۔۔۔چراغ کا اس طرح بجھنا، زندگی کے آخری سہارے کی علامت بھی ہے اور انسان کی ازلی بغاوت کا نشان بھی۔"(۲۲)

ہمارے سماج میں اکثر ایسے کردار ملتے ہیں جو شروع میں تو مذہبی اوردین دار ہوتے ہیں لیکن مایوسی میں وہ خدا کو بھول جاتے ہیں۔یونس جاوید نے افسانوں میں ایسے کردار وں کے ذریعے مایوسی کے فلسفے کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

یونس جاوید کے دوسرے مجموعے "آوازیں" کے کچھ افسانوی کردار علامت کے طور پر بھی آئے ہیں۔۱۹۷۰ء کی دہائی میں افسانے میں علامت کا تجربہ عام تھا۔یونس جاوید نے بھی اپنے افسانوں "اِک بستی کی کہانی"، "کراسنگ نو"، "کتامکھی" اور "ٹیٹنس ۸۱"میں کرداروں کو علامت کے طور پر استعمال کیا۔ "اک بستی کی کہانی"میں مرکزی کردار چودھری ضامن سیاسی آمر کی اور مولوی صالح مذہبی طاقتوں کی علامت ہے۔یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے ہیں اور عوام کا استحصال کرتے دکھائے گئے ہیں۔"کتا مکھی"کا مرکزی کردار "بیگم وقار جمال"دراصل بیک وقت جنس، بھوک کی طمع، لالچ اور حرص کی علامت ہے۔وہ ایک ایسا کتا مکھی ہے جو"یوسف"جیسے مثالیت پسند کردار کے ساتھ چپک جاتی ہے اور اس کی کوشش کے باوجود پیچھا نہیں چھوڑتی۔آخر کار نوجوان کے اندر منزل مقصود تک پہنچنے کی تمنا ہی مرجاتی ہے۔

یونس جاوید کے افسانوں کرداروں میں فریدہ ہو یا زبیرالحامد،راشدہ ہو ،فیروزاں یا انیلا،"پس دیوار زنداں"کی مسز جواد ہو یا بہزاد،"رسائی نارسائی"کی بینا ہو یا ساجد علی ،"لیکن"کی ریشم ہو یا راحیل اورخواہ "ہو اِز شی" کی رانو، سب کے سب ہمارے معاشرے میں نام نہاد اخلاقی اقدار،مذہب اور شرافت کے مروجہ اصولوں سے بے زار اور ماورا ہیں۔یونس جاوید کبھی اُن کے کسی قول وفعل پر اچھے بُرے ہونے کا لیبل نہیں لگاتے بلکہ کہانی بیان کرکے ایک طرف ہوجاتے ہیں اور فیصلہ قاری کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں۔اُن کا تصورِ عورت اچھائی یا برائی کے مروجہ پیمانوں سے ہٹ کر انسانی جذبات اور نفسیاتی کیفیات سے عبارت ہے۔انہوں نے عورت کی جسمانی پیش کش کے علاوہ اس کی فطری شخصیت کوزیادہ ابھارنے کی کوشش کی ہے۔افسانے "یہی عورت ہے"کا مرکزی کردار اگرچہ ماڈل گرل ہے اور جسم فروشی بھی کرتی ہے مگر اس کے باوجود وہ ہر عورت کی طرح محبت اور تحفظ کی طلبگار ہے۔اُسے صرف دھندہ ہی نہیں کرنا بلکہ عملی محبت کی چاہت بھی ہے۔اُسے مرد کا پیار اور لمس دونوں مطلوب ہیں۔ یونس جاوید اپنے نسوانی کرداروں کے ساتھ روایتی صنفی امتیاز نہیں برتتے بلکہ انہیں ایک عام اوربرابری کے حامل انسان کےطور پر دکھاتے ہیں جس میں خوشی، غم، حسد، خودداری، عداوت، انتقام اور دیگر تمام انسانی جذبات موجود ہوتے ہیں۔

افسانوں"سبز آنکھوں والی لڑکی"کا سیٹھ نواز، "میں محبت کرتا ہوں"کے حکیم، مولوی سلطان علی اور جمالا اور "سوا نیزے پرسورج"میں چلنے والی گولی کاگمنام ذمہ دار شخص ایسے کردارہیں جو "میں ایک زندہ عورت ہوں"کی طوائف کے کرداروں سے زیادہ مکروہ، گھناؤنے اور شقی القلب ہیں۔یہ ایسے کردار ہیں جن کا زہر ان عورتوں کے اپنے انفرادی وجود کا خاتمہ کرتا ہے۔بقول غلام حسین ساجد:

> "یہی وہ ناسور ہے جس کا زہر ان عورتوں کی رگوں میں دوڑتا ہے اور ان کے وجود کی صباحت کو دُھندلاتا ہے۔اس کتاب میں بکھری ہوئی عورتوں کی اکثریت قابل نفرت سہی مگر لائق تعزیر نہیں جب کہ اس کتاب کے بُرے مرد ہر لحاظ سے قابل نفرت بھی ہیں اور لائق تعزیر بھی بلکہ ان کا مٹادیاجانا ضروری ہے۔"(۲۳)

ہماری تاریخ میں مُلّا اور آمر دو ایسے کردار ہیں جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر پورے معاشرے کا نظام اس طرح وضع کرتے ہیں کہ سماجی استحصال کی راہیں ہموار ہو جاتی

ہیں۔یونس جاوید "ایک بستی کی کہانی"میں ایسے ہی دو کرداروں کے ذریعے قاری کو بتاتے ہیں کہ آمر طاقت کے زور سے اور ملا تقدیر کے مسخ شدہ فلسفے سے کام لے کر لوگوں کی معصومیت اور بے چارگی کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ضامن کا کردار اور ملا صالح کا کردار اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔اس کہانی میں جمیل "عوام"کا کردار ہے۔وہ سماج کا نمائندہ ہے جو ضامن شاہ کے ظلم کا شکار اس لئے ہے کہ وہ دُعا کی بجائے دوا کی بات کرتا ہے اور مولوی صالح کہتا ہے کہ تمام تکلیفیں اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہیں،یہ سُن کر جمیل بول اٹھتا ہے جس کے نتیجے میں جمیل کو سات سال کی سزا دی جاتی ہے۔یونس جاوید ان کرداروں کےذریعے ہمارا سماجی، تاریخی اور سیاسی شعور بیدا ر کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔اِن کرداروں کو عہد حاضر میں پرکھا جائے تو آج بھی ہمارے سماج میں یہی کردار اپنے مشترکہ مفادات کی خاطر ایک دوسرے کی معاونت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

یونس جاوید کی کردارنگاری میں مزا ح کا بھی ایک ضمنی رس موجود ہے جو کہانی کو دلچسپ بنا دیتا ہے۔اسی خوبی کی بنا پر انہیں پریم چند کے سلسلے کا افسانہ نگار بھی سمجھا جا سکتا ہے۔اُن کے ہاں مزاح اکثر سماجی ماحول کی ناہمواریوں پر لطیف تبصرہ ہوتا ہے جواُن کے خیال کی باریک بینی اور کرداروں کے ذریعے سماجی حقیقتوں کو پیش کرنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔یونس جاوید اردو کے ایسےافسانہ نگار ہیں جنہوں نے کردار نگاری کو محض کہانی کا پلاٹ آگے بڑھانے کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے انسانی نفسیات، سماجی حقیقتوں اور فکری بیانیوں کا ایک اہم آمیزہ بنا کر پیش کیا ہے۔ان کے ہاں حقیقت نگاری ہے، میجک ریلزم کا استعمال ہے اور کرداروں کی داخلی کیفیت کی عکاسی پر زیادہ زور ہے۔وہ اپنے افسانوں کے ذریعے معاشرتی مسائل اور انسانی نفسیاتی المیوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ قاری موضوع اور کرداروں سے گہری جڑت بنا لیتا ہے بلکہ کرداروں کے تجربات اور ان کی فکری دنیا کو بھی محسوس کرتا ہے۔بحیثیتِ مجموعی یونس جاوید کے افسانوی کرداروں کو جمود شکن زندہ حقیقتوں کے نمائندہ سمجھا جا سکتا ہے جو کردار نگاری میں فنی پختگی کے ساتھ ساتھ سماجی ناہمواریوں کی بازگشت بھی لیے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ جبار مرزا،ڈاکٹر یونس جاوید اور حسین احمد شیرازی،مشمولہ : روزنامہ "جنگ"،(لاہور: ۱۳/جون ۲۰۱۴ء)

۲۔ سلیم اختر، دیباچہ: کنجری کا پل،از:یونس جاوید،(لاہور: جمہوری پبلی کیشنز ، ۲۰۱۱ء)، ص۱۶

۳۔ وقار عظیم،فن افسانہ نگاری ،(لاہور: اردو مرکز،طبع دوم ۱۹۶۱ء)، ص۱۲۳۔۱۲۴

۴۔ سلیم اختر،افسانہ اور افسانہ نگار،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء)، ص۲۲

۵۔ سجاد باقر رضوی، دیباچہ: تیز ہوا کا شور،از:یونس جاوید،(لاہور: کتابیات، طبع اول ۱۹۶۷ء)، ص۱۳

۶۔ اظہر جاوید، ایک بڑا ادیب، مشمولہ: ماہنامہ 'الحمرا'،(لاہور:اکتوبر ۲۰۱۰ء)،ص۳۴

۷۔ یونس جاوید،نفرت کی دیوار،مشمولہ: تیز ہوا کا شور ، ص۱۳۵

۸۔ یونس جاوید،میں ایک زندہ عورت ہوں، مشمولہ: میں ایک زندہ عورت ہوں،(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ص۲۳

۹۔ یونس جاوید،میں ایک زندہ عورت ہوں،مشمولہ: میں ایک زندہ عورت ہوں، ص۳۵

۱۰۔ یونس جاوید،عزت نفس کے لئے،مشمولہ: 'میں ایک زندہ عورت ہوں،ص۶۸

۱۱۔ یونس جاوید،رسائی نارسائی،مشمولہ: میں ایک زندہ عورت ہوں،ص۱۷

۱۲۔ یونس جاوید،نروان،مشمولہ: تیز ہوا کا شور ،ص۳۶

۱۳۔ سعادت سعید،دیباچہ :رب سچیا رب قدیر،از: یونس جاوید،(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص۳۳

۱۴۔ انیس ناگی،فلیپ: تیز ہوا کا شور،از: یونس جاوید

۱۵۔ یونس جاوید،نجات، مشمولہ: تیز ہوا کا شور،ص۱۰۹

۱۶۔ یونس جاوید،نجات،مشمولہ: تیز ہوا کا شور،ص۱۱۴

۱۷۔ یونس جاوید،رب سچیا رب قدیر، مشمولہ: رب سچیارب قدیر،ص۱۰۸

۱۸۔ یونس جاوید،محبت اس کو کہتے ہیں،مشمولہ: رب سچیا رب قدیر،ص۹۸

۱۹۔ یونس جاوید،نفرت کی دیوار،مشمولہ: تیز ہوا کا شور ،ص۱۳۱

۲۰۔ یونس جاوید ، میں ایک زندہ عورت ہوں ،مشمولہ: میں ایک زندہ عورت ہوں،ص۳۹

۲۱۔ شاہین مفتی،دیباچہ :میں ایک زندہ عورت ہوں،از:یونس جاوید،ص۸۲

۲۲۔ سجاد باقر رضوی،دیباچہ: تیز ہوا کا شور،ص۱۰

۲۳۔ غلام حسین سید ، 'میں ایک زندہ عورت ہوں' پر دو باتیں ، مشمولہ: انگارے:آٹھویں کتاب،(ملتان: عاتکہ پرنٹنگ پریس، اگست ۲۰۰۵ء) ص۴۸